نام کتاب　:　**سیرت نبوی ﷺ پر اعتراضات کا جائزہ**

مصنف　:　محمد شمیم اختر قاسمی ۞

ناشر　:　نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی

صفحات　:　۲۸۰

قیمت　:　۱۳۰/ روپے

تبصرہ نگار　:　بکر عالم صدیقی ۞

حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ ﷺ پر پہلی صدی سے لے کر اب تک دنیا کی مختلف زبانوں میں بہ کثرت کتابیں اور مضامین سپرد قلم کیے گئے ہیں، جن کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ایک دانش ور کے بہ قول سیرت نبوی ﷺ پر لکھی جانی والی کتب کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے، جن میں پچاس کتابیں صرف نعلین مبارک سے متعلق ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات پر اپنوں ہی نے نہیں، غیروں نے بھی بہ کثرت لکھا ہے۔ پروفیسر مارگولیتھ کے بہ قول:

> The biographers of the Prophet Mohammed form a long series which it is impossible to end, but in which it would be honourable to find a place. (1)

(پیغمبر محمد (ﷺ) کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا اختتام ناممکن ہے، البتہ اس میں جگہ پالینا ایک اعزاز ہے۔)

یہ ایسا دل چسپ موضوع ہے جو محققین و محبین کے لیے مستقل میدان تحقیق بن گیا ہے۔ اردو زبان میں علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی **سیرۃ النبی**، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی **رحمۃ للعالمین**، مولانا ادریس کاندھلوی کی **سیرۃ المصطفیٰ**، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی **سیرت سرور عالم**، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کی **الرحیق المختوم** کے علاوہ ہندو پاک کے درجنوں علما و محققین نے سیرت نبوی پر عمدہ اور ضخیم کتابیں کئی

۞ اسسٹنٹ پروفیسر: شعبہ دینیات، عالیہ یونی ورسٹی کولکاتا، مغربی بنگال

۞ نائب مدیر: سہ ماہی فکر و نظر، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ (یوپی) انڈیا (abubakar@gmail.com)

1- D.S Margoliouth, *Mohammed and the Rise of Islam* (New York: The Knickerbocher Press, 1905), iii.

کئی جلدوں میں تحریر کی ہیں۔ ان سے سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت تو ہوتی ہی ہے، ساتھ ہی مستشرقین کی طرف سے کیے گئے بعض متعصبانہ اعتراضات کا جواب اوران کا دفاع بھی ہوتا ہے، تاہم ان سے یہ اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ یہ گفت گو کس اعتراض کے ضمن میں کی گئی ہے۔ البتہ سرسید احمد خاں کی **الخطبات الأحمدية في العرب والسيرة المحمدية** اور ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی کی **اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر** جیسی کتابیں اسی طرح کے لوگوں کے اعتراضات کے تعاقب میں لکھی گئی ہیں۔

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی ہندو پاک کے علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ ان کے تحقیقی واصلاحی مقالات اور مضامین ملک وبیرون ملک کے معیاری رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب **قطع حیات بہ جذبۂ رحم کی شرعی حیثیت** کی اشاعت کچھ سال قبل ہوئی تھی، جو علمی حلقوں میں داد تحقیق حاصل کر چکی ہے۔ ان کی ایک اور تصنیف **سیرت نبوی ﷺ پر اعتراضات کا جائزہ** اس اعتبار سے ممتاز اور لائق ستائش ہے کہ اس میں اختصار کے ساتھ سیرت نبوی پر مستشرقین و معاندین اسلام کی طرف سے کیے گئے درجنوں اعتراضات کا دفاع حقیقت پسندی کے ساتھ محققانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ حب رسول میں ڈوب کر متانت و سنجیدگی کے ساتھ لکھی جانے والی یہ کتاب افراط و تفریط اور رطب ویابس سے منزہ ہے۔ انھوں نے اس کے ذریعے اپنوں کے مجروح دلوں پر مرہم رکھنے کی ہی نہیں، بلکہ غیروں کی کج روی اور غلط فہمیوں کو بھی دور کرنے کی سعی مشکور کی ہے۔ یہ کتاب مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی سے خوب صورت ٹائٹل اور عمدہ کمپوزنگ و طباعت کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔[۲] ضخامت ۲۸۰ صفحات اور قیمت ۱۳۰ روپے ہے۔ اس میں گیارہ ابواب کے تحت ایک سو پچھتر ذیلی عناوین قائم کیے گئے ہیں۔ اس میں مسلکی و گروہی اختلافات سے بھی یکسر احتراز کیا گیا ہے، اس لیے ہر کسی کے لیے یہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کا پہلا باب 'سیرت نبوی علی صاحبها الصلوۃ والسلام پر اعتراضات کا تاریخی جائزہ' ہے۔ اس کے تحت دو باتوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اور اس کے فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ یوں تو نبی ﷺ کے فرائض کی ادائی کے انسداد کے لیے کفار و مشرکین نے بڑی شد و مد کے ساتھ محاذ آرائی کی تھی۔ مگر انھوں نے نبی علیہ السلام کی ذاتی شخصیت پر کبھی کیچڑ نہیں اچھالا۔ آگے چل کر یہی لوگ آپ ﷺ کے شیدائی اور اسلام کے خادم

۲- ہندوستان سے شائع ہونے کے بعد یہ کتاب پاکستان میں بھی دو ناشروں (دارالنور، مکتبہ قاسم العلوم۔ لاہور) نے شائع کر دی ہے۔

بنے۔اس کے برعکس بعد کی صدیوں میں یہود ونصاریٰ یہاں تک کہ مستشرقین نے حضور کی سیرت و شخصیت کو جس انداز سے مجروح کرنے کی کوشش کی ہے وہ تاریخ انسانی کا سیاہ باب ہے۔ یہ بات بڑی تشویش ناک ہے کہ مستشرقین کی بڑی تعداد نے اپنی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا رخ اس طرف موڑ دیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اسلام کو نیچا دکھایا جائے اور سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر اتہامات واعتراضات کی بوچھاڑ کی جائے تاکہ مسلمانوں کی دل آزاری کے ساتھ نوجوان نسل کو گم راہ کیا جاسکے۔ اس طرح کے اعتراضات کی کتاب میں ایک مختصر سی فہرست بھی دی گئی ہے۔(۵۹-۶۱) مصنف کے بہ قول اس کام کے لیے مستشرقین کی جماعت نے ۱۴۳۸ء میں آکسفورڈ میں باضابطہ ایک شعبہ قائم کیا تھا، جس کا نام ہی 'کالج آف پروپیگنڈا' رکھا۔ ایڈورڈ پوکاک اس کے پہلے صدر مقرر کیے گئے۔(ص:۴۸) یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے، حالاں کہ عیسائی دنیا کو اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ قرآن کے انگریزی مترجم مارماڈیوک ولیم پکتھال جیسا شخص اسلام کو قبول کرتا ہے تو اس دین میں بہ قول مصنف یقیناً بہت سی خوبیاں ہوں گی۔[۳] مصنف نے بعض قدیم وجدید مستشرقین کا ذکر بھی کیا ہے جنھوں نے سیرت رسول پر کھلے یا دبے لفظوں میں بہتان تراشیاں کی ہیں اور ان غیر جانب دار اہل علم کے بعض افکار و نظریات بھی قلم بند کیے ہیں جو اپنے گروہ کے رد میں ہیں، تاکہ اس جماعت پر لگے بدنمائی کے داغ کو کسی حد تک ہلکا کیا جاسکے۔ انھوں نے کچھ مرتد مصنفین کی بھی وضاحت کی ہے جو مغرب سے مرعوب ہوکر اسلام کو فرسودہ مذہب ثابت کرنے میں لگے اور سیرت نبوی پر زبان طعن دراز کیے ہوئے ہیں، بہ قول مصنف:

> اسلام میں جو چیز بالخصوص مستشرقین کے حملے کا نشانہ بنی وہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ ہے... ابوسفیان باوجود دشمن ہونے کے ہرقل کے دربار میں کوئی ایسی بات نہ کہہ سکا جو جھوٹی ہو۔ وہ کافر ضرور تھا، لیکن اس کے نزدیک جھوٹ ایک اخلاقی مرض تھا۔ اس لیے وہ جھوٹ نہ بول سکا اور کفار مکہ آپ ﷺ سے شدید عداوت رکھنے کے باوجود آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ مستشرقین ان سب حقیقتوں سے آشنا ہونے کے باوجود روایتی تعصب اور تنگ نظری سے دامن نہ چھڑا سکے۔(ص:۶۲)

'وحی اور اس کی کیفیتِ نزول' کتاب کا دوسرا باب ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو وحی کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے اور اس کی حقیقت کیا ہوتی ہے؟ اس سلسلے میں مستشرقین نے جو مختلف قسم کے اعتراضات وحی اور اس کے تعلق سے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کیے ہیں، مصنف نے ان کا مبسوط جائزہ لیا ہے اور اس طرح کی یاوہ گوئی کو علمی خیانت قرار دیا ہے۔

۳۔ مارماڈیوک ولیم پکتھال، **اسلامی ثقافت اور دور جدید**، ترجمہ: توراکینہ قاضی (لاہور: منشورات، ۲۰۰۳ء)، ۱۷۔

'کیا قرآن حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے؟' زیر تبصرہ کتاب کا تیسرا باب ہے۔ یہ بات عیاں ہے کہ قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک بڑا معجزہ بھی ہے۔ یہ سراپا ہدایت اور سرچشمۂ علوم فنون ہے۔ یہ ماضی کے حالات کی وضاحت اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس کے مثل نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب تھی اور نہ بعد میں ہوگی۔ سابقہ آسمانی کتابوں کی طرح اس میں رطب ویابس اور کسی طرح کی کوئی کمی بیشی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اس باب میں ایک دل چسپ واقعہ یہ لکھا ہے کہ ۱۹۳۳ء سے قبل جرمنی کی میونخ یونی ورسٹی میں قرآن مجید کی تحقیق کا ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا۔ اس کی زیر نگرانی پوری دنیا سے قرآن مجید کے بیالیس ہزار قدیم نسخے حاصل کیے گئے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے حادثے کے بعد ادارے کی طرف سے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی، اس میں واضح کیا گیا تھا کہ ہم نے اب تک قرآن مجید کے بیالیس ہزار نسخے حاصل کیے ہیں، ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے، لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں۔[۴] (ص:۱۲۱) یہ قرآن کریم کی صداقت کی دلیل ہے۔ جب کہ اس سے قبل انجیل کے نسخوں کا تقابل کیا گیا تھا۔ اس کے متعلق یہ رپورٹ شائع ہوئی تھی کہ ان میں کوئی دولاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں۔ اس کے بعد یہ بھی تحریر کیا گیا تھا کہ ان میں سے ایک خاص تعداد ہی اہم ہے۔ ان حقائق وشواہد کے باوجود قرآنِ حکیم کے تقدس کو مجروح اور ختم کرنے کے لیے مستشرقین میں سے معاندین اسلام ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں۔ ان کی لغو باتوں کا جواب دیتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

> اپنی برتری کو دنیا میں تسلیم کرانے کے لیے مغرب قرآن کو الہامی اور دنیا کی عظیم ترین کتاب ماننے سے انکار کرتا ہے۔ اس لیے وہ اس میں ہمیشہ سے طرح طرح کے عیوب نکالتا رہا ہے۔ اس کی ڈھٹائی کا یہ عالم کہ وہ اپنی کتابوں کی طرح قرآن مقدس میں بھی تحریف وترمیم کے عمل سے گزرنے کا دعویٰ کرتا ہے، جب کہ یہ بات تسلیم کی جاچکی ہے کہ آج تک اس میں ایک لفظ کا بھی حذف واضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس دعوی کو مشکوک ٹھہرانے کے لیے مغرب نے ایک ناکام اور بے ہودہ کوشش یہ کی کہ قرآن کے مقابل ایک کتاب **الفرقان الحق** کے نام سے گھڑ ڈالی اور اسی نہج پر اس کتاب کی ترتیب وتدوین کی اور اس میں پیش کی گئی سورتوں کا نام بھی اسی انداز پر رکھا۔ مگر جب **الفرقان الحق** منظر عام پر آئی تو مغربی ذہنیت کا پول کھل گیا اور کسی نے بھی اس کوشش کو نہیں سراہا، بلکہ ہر طرف سے اس پر صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ آخر نتیجہ یہی ہوا کہ چند دنوں کے بعد ہی یہ فتنہ خود بہ خود سرنگوں ہوگیا۔ (ص:۱۲۲)

---

۴ - یہ واقعہ عام طور پر ڈاکٹر حمید اللہ کے حوالے سے بھی نقل کیا جاتا ہے، دیکھیے:

Mohammed Hamidullah, *Muhammad Rasullullah* (Lahore: Idara-e-Islamiat, n.d), .179.

کتاب کا چوتھا اور پانچواں باب معجزات اور معراج نبویؐ کی حقیقت پر مبنی ہے۔ مستشرقین نے جس انداز سے معجزات نبویؐ اور معراج نبویؐ کو مشکوک ٹھہرانے کی سعی نامراد کی ہے، اس سے بڑی اذیت ہوتی ہے۔ تمام انبیا علیہم السلام کو من جانب اللہ اس طرح کے اعزاز واکرام سے نوازے جانے کی شہادت ملتی ہے اور جسے سب نے تسلیم کیا ہے۔ چوں کہ مستشرقین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے کو گھٹانا ہے، اس لیے وہ اس کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے نبی کی برتری یا انھیں سابقہ انبیا کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لیے اس قسم کے واقعات کو منسوب کر دیا ہے۔ مصنف نے دلائل کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ نبی کی معراج اور ان کے معجزات کی قسمیں، نوعیتیں اور واقعات تو تسلیم شدہ ہیں۔ قرآن نے اسے بیان کیا ہی ہے، حدیث میں بھی تواتر کے ساتھ یہ بیان ہوا ہے، جس سے کسی بھی صورت میں انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ (ص:۱۲۸) معراج کے تعلق سے موصوف لکھتے ہیں:

> رفع سماوات وسیر سماوات اور تجلیات الٰہی کے مشاہدہ کرنے کی اس غیر واضح اور مبہم شکل کو جب انبیاء سابقین کی معراج تسلیم کیا جاتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات رفع سماوات کو بھی معراج کی اعلیٰ شکل کے طور پر ہی تسلیم کیا جانا چاہیے۔ معراج نبویؐ کی خصوصیت یہ ہے کہ بارگاہ لامکاں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کے قدم اس سے پہلے نہیں پہنچے تھے اور نہ کسی نے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی اس اعلیٰ وارفع شکل کو جو دلائل واضحہ سے ثابت ہے، تسلیم کرنے میں مغرب کو قباحت ہوتی ہے اور جب انکار کی کوئی شکل نہیں رہ جاتی تو اس کی صداقت کا پیمانہ سائنس کو بنایا جاتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ کی ہر صناعی اور کاریگری اس خودساختہ پیمانہ پر پوری اتر جائے۔ (ص:۱۵۱)

'کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نئے مذہب کے بانی تھے؟' یہ کتاب کا چھٹا باب ہے۔ مستشرقین نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ دین سے ہٹ کر خود ساختہ دین ایجاد کر لیا اور اسے خدائی دین باور کرانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا، نیز انھوں نے سابقہ انبیا پر اپنی فضیلت جتانے کے لیے قرآن میں من مانے کلمات داخل کر دیے تھے۔ اس قسم کی لغویات کا رد کرتے ہوئے مصنف رقم کرتے ہیں:

> مذکورہ تصریحات کی روشنی میں کیا کوئی بھی سنجیدہ آدمی کہہ سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نافذ کردہ دین کے مقابلے میں ایک نئے دین کو ایجاد کیا۔ نعوذ باللہ اگر یہ کوئی نیا دین ہوتا تو اب تک اسے دنیا سے فنا ہو جانا چاہیے تھا اور وہی دین اور شریعت دنیا میں نافذ ہو جاتا جسے حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام لے کر آئے تھے۔ بناوٹ، بناوٹی ہوتی ہے، اس کے فنا ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ سابقہ ادیان کیسے اپنا دم توڑ رہے ہیں اور اسلام دنیا میں پھیل رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو بھی دین اور طریقہ تھا وہ کسی خاص قوم اور عہد کے لیے تھا، اس لیے اس میں بہ مقابلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے، افراط و تفریط کا پایا جانا کوئی بعید نہیں، لیکن جس دین یا شریعت کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

ذریعہ ہوئی اور جس کا اعلان آپ ﷺ نے فتح مکہ کے وقت مجمع عام میں کیا۔(المائدۃ :۳) وہ ایسا ہے جو انسان کی عین فطرت، اس کی تمام ضرورتوں پر مبنی ہے۔ جو بھی اس دین پر عمل کرے گا دین و دنیا کی کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔ (ص:۱۸۱-۱۸۰)

'کیا تعلیمات نبوی ﷺ پر مسیحیت کا اثر ہے؟' یہ کتاب کا ساتواں باب ہے۔اس میں مصنف نے اس بات کا رد کیا ہے کہ اسلام کی تعلیمات مسیحیت سے ماخوذ ہیں، نیز اس بات کو بھی خلافِ حقیقت ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ورقہ بن نوفل یا بحیرا راہب سے کوئی استفادہ کیا ہے۔اس قسم کی باتوں کو مصنف نے مستشرقین کی ناقص تحقیق قرار دیا ہے جس کا اصل سے کوئی تعلق نہیں ہے:

مستشرقین نے حصول علم اور معلومات کے ذرائع جن نصرانی عالموں کو قرار دیا ہے، ورقہ بن نوفل بھی انہی میں سے ایک تھے جو مکہ میں رہتے تھے۔ اگر بحیرا راہب سے حضور ﷺ کے تعلیمی سلسلہ کو جوڑا جاتا ہے تو ورقہ کو خاص طور پر اس بات کا علم ہوتا کہ آپ نبی برحق ہیں... رہے بعض دوسرے اہل کتاب علماء و ربیین تو ان سے آپ کی ملاقات برائے نام تھی ... اسی طرح اہل کتاب کے بعض عالموں سے چاہے وہ غلام ہی کیوں نہ ہوں، ملاقات ہو جاتی تو ان کی عظمت کا بھی آپ ﷺ پورا خیال کرتے تھے۔لہٰذا یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ شروع سے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ خصوصی نہج پر آپ کی تربیت کر رہا تھا اور آلائشوں سے آپ کے قلب و نظر اور فکر و خیال کو مصفّٰی کر دیا تھا... پھر جب آپ ﷺ نبوت سے سرفراز کیے گئے تو گو آپ امی تھے، مگر آپ کو جو معلومات حاصل ہو رہی تھیں وہ بواسطہ وحی ہو رہی تھیں جسے فرشتہ وحی لے کر آتا اور بعض وقت براہ راست آپ ﷺ کے قلب اطہر میں کوئی بات ڈال دی جاتی تھی۔ جب یہ صورت ہو تو لا محالہ یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امی پر ہی نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا تا کہ دنیا یہ تسلیم کر لے کہ اللہ کی قدرت دنیا کی ساری چیزوں پر محیط ہے اور جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا وہ سب اسی کے ایما اور اشارے سے ہوگا۔رہے آپ کے بعض رفیق جو پہلے عیسائی تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے یا آپ ﷺ کا اپنی زوجہ مطہرہ ماریہ قبطیہ سے علم حاصل کرنا محض الزام اور تعصب ہے۔ ان میں کوئی اس لائق نہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کو علمی فیض پہنچا سکے۔(ص:۲۰۳-۲۰۲)

کتاب کا آٹھواں باب 'رسول اللہ ﷺ کے غزوات اور ان کے محرکات ہے'۔اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں مستشرقین اور بعض دوسرے لوگوں کی طرف سے جو سب سے بڑا الزام عائد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اسلام کو بہ جبر پھیلایا اور بے وجہ کفار و مشرکین سے جنگ کی جس میں بڑی تعداد میں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ اس کے نتیجے میں بے انتہا مال و دولت حاصل ہوئی اور ان کی مفلوک الحال زندگی تعیش میں بدل گئی۔اس کتاب میں اختصار کے ساتھ مصنف نے تمام غزوات کے اسباب و محرکات بیان کیے ہیں اور اسے دفاعی قرار دیا ہے۔ اسی ضمن میں انھوں نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ کفار و مشرکین منصوبہ بناتے اور اس کا اظہار

دھمکی اور چھوٹی چھوٹی جھڑپوں (سرایا) کے ذریعے کرتے رہتے تھے کہ ہم مدینے میں مقیم مسلمانوں سے غافل نہیں، ان کے وجود کو ختم کرنے میں ہمیں زیادہ مزاحمت کرنی نہیں پڑے گی۔ اسی زعم میں وہ بر سر پیکار ہوئے۔ اس لیے انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ چوں کہ مسلمانوں سے مقابلہ آرائی کے لیے کفار مکہ اور مدینہ کے یہود اور بعض منافقوں نے اہل مکہ سے ساز باز کر لیا تھا، باوجودے کہ یہ حضور ﷺ سے تحریری معاہدہ کر چکے تھے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے۔ اس لیے جن لوگوں نے کفار کا ساتھ دیا تھا وہ بھی ناکام و نامراد ہوئے۔ مصنف کے یہ قول:

مسلمانوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے، لیکن دشمنان دین کو اپنی طاقت پر غرور تھا، جب کہ مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود بلند حوصلہ رکھتے تھے۔ جب حوصلہ اور طاقت کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو عموماً حوصلہ مند گروہ کو کامیابی ملتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی مسلمانوں کے ساتھ ہوا اور وہ اللہ کی مدد سے ہر جگہ کامیاب و کامران ہوئے۔ اس کے نتیجے میں بعض جنگوں میں بڑی مقدار میں اموال غنیمت حاصل ہوئے۔ ایسا دنیا کے ہر ملک میں ہوتا ہے کہ جب دشمن پر فتح ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں نہ صرف قیدی ہاتھ لگتے ہیں، بلکہ ان کا مال واسباب بھی قبضے میں آجاتا ہے۔ کیا ایسے موقع پر کوئی فاتح قوم ان اموال سے دست بردار ہو جاتی ہے؟ لیکن نبی ﷺ کی اس کامیابی کو مغرب لوٹ مار سے تعبیر کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ الزام لگانے کے بجائے اپنے ذہنی فتح کی اصلاح کرے، تو پھر ان جنگوں سے متعلق کوئی اشکال ہی نہ رہے گا۔ (ص:۲۲۵)

'الغرانیق العلی کا افسانہ' کتاب کا نواں باب ہے۔ اس موضوع روایت کی بنیاد پر ولیم میور، منٹگمری واٹ اور لین پول وغیرہ نے حقیقتِ وحی کے حوالے سے شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف نے اس بے اصل واقعے پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

اگر حضور ﷺ سے دیویوں کی الوہیت کے تسلیم کرنے کی لغزش ہوئی تو اس کی تنسیخ اسی وقت کی جاتی۔ قرآن میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن پر مسلمانوں کے لیے اس پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے۔ مگر جب اللہ نے چاہا اور اس حکم کی افادیت ختم ہوگئی تو اس کی جگہ دوسرا حکم نازل کر دیا۔ کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ۔ اس پر مفسرین نے بڑی طویل بحث کی ہے اور ان کا تعین بھی کیا ہے۔ مگر اس واقعے کے متعلق ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے یہ من گھڑت قصہ رونما ہی نہیں ہوا۔ حدیث کے مستند مجموعوں میں بھی اس کا تذکرہ نہ آنا واقعہ کے لغو ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اس واقعہ کو صحیح قرار دیا ہے، ان کے الفاظ پر غور کیا جائے تو واقعہ میں حد درجہ نقص نظر آتا ہے۔ یہ تضاد قصہ کی اصلیت کو مجروح کرتا اور بے بنیاد بنا دیتا ہے۔ (ص:۲۳۷)

'تعدد ازدواج کا مسئلہ' زیر تبصرہ کتاب کا دسواں باب ہے۔ یہ ایک ایسی بحث ہے جس کے بارے میں ہر زمانے میں بحث و تمحیص کا بازار گرم رہا ہے اور خاص طور سے مستشرقین و معاندین نے اسلام کی آفاقیت کو کم

کرنے کے لیے بے تکی باتیں کہیں ہیں۔ حالاں کہ بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو یہ اسلام سے پہلے بھی رائج تھا اور اب بھی ہے۔ خود سابق انبیاے کرام علیہم السلام کی کئی کئی بیویاں تھیں۔ آج بھی تعدد ازدواج پر مسلمانوں کی بہ نسبت دوسرے مذاہب کے لوگ زیادہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ناگزیر حالات اور جائز ضروریات کے پیش نظر اس کی اجازت تو دی مگر سرپرستی نہیں کی ہے۔ رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ چند دوسری قیود کے ساتھ اللہ نے آپ کو عام حکم سے مستثنیٰ کردیا تھا اور یہ تمام شادیاں شدید دینی، سیاسی اور معاشرتی مصالح کے پیش نظر ہوئی تھیں۔ بعض دوسرے مستشرقین نے اس کی افادیت کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت کے باوجود مسلمان اس پر کم ہی عمل کرتے ہیں۔ جب کہ ہندوؤں میں مذہبی طور پر اس کی ممانعت کے باوجود اس کا رواج اور رجحان زیادہ پایا جاتا ہے۔ (ص:۲۵۵) لا کمیشن آف انڈیا کے حوالے سے ایک بڑی اہم بات یہ کہی گئی ہے کہ اس نے بھی اسلام کے تعدد ازدواج کی افادیت کو تسلیم کیا ہے۔ جب کہ اس رپورٹ میں ہندو قانون نکاح پر کڑی نکتہ چینی کی گئی ہے۔ حاصل بحث کے طور پر مصنف نے لکھا ہے:

> ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کثرت ازواج کے حوالے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ سابقہ انبیا پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی مصالح کی بنا پر کئی شادیاں کی تھیں مگر اس سے قبل جو چار بیویاں آپ کے حرم میں تھیں وہ ایک رسم تھی جو صدیوں سے چلی آرہی تھی اور جسے لوگ معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ چوں کہ اس وقت تک ممانعت کثرت ازدواج کا کوئی حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہ تھا۔ چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم کے تابع تھے، وہ اپنی طرف سے اپنے مفاد میں یا امت کے حق میں کوئی حکم نافذ کرنے یا بنانے کے مجاز نہ تھے۔ اس لیے سابقہ رواج پر عمل کرتے رہے، لیکن جب اس سلسلے میں واضح حکم نازل ہوگیا تو اس کے مطابق عمل کیا گیا۔ (ص:۲۵۸)

کتاب کا آخری باب 'نکاح زینب کی حقیقت' ہے۔ اس کے ذریعے اس الزام و اتہام کی تردید کی گئی ہے کہ زید بن حارثہ عرب معاشرے کے رسم و رواج کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ بعد میں اس رسم کی اسلام نے بیخ کنی کردی تو ان کی حیثیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور غلام سے زیادہ کی نہ رہی۔ چوں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں محبوب تھے، لیکن بہ حیثیت غلام، سماج میں ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے مقام و رتبے کو بلند کرنے اور انھیں عزت بخشنے کے لیے قریش کی ایک معزز خوب صورت خاتون سے ان کی شادی کروادی۔ بعض وجوہ سے دونوں کا نباہ نہ ہوسکا اور طلاق و تفریق ہوگئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مستقبل کی فکر کرکے از راہ ہم دردی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں شادی کا پیغام دیا جو انھوں نے بہ خوشی قبول کرلیا۔ یہ فیصلہ بھی ان کا اپنا

نہیں تھا، بلکہ وحی کے ذریعے انھیں اس کے لیے آمادہ کیا گیا تھا۔ اس وقت لوگوں کو اس نکاح کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ جو اشکال ہو سکتا تھا، وہ یہی کہ نبی ﷺ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلّقہ سے شادی کرلی۔ اس کا جواب بھی اللہ نے یہ دیا کہ منہ بولے بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔(القرآن ۳۳: ۵) مگر بعد میں مستشرقین نے اس پر خوب واویلا کیا ہے۔ مصنف نے مثالوں کے ذریعے مستشرقین کے اتہامات کی بیخ کنی کی ہے اور معتدل موقف کو واضح کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس طرح کی باتیں محض عداوت اور تعصب پر مبنی ہیں۔

مجموعی طور یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی وقیع اور خصوصیات کی حامل ہے۔ مصنف نے طوالت سے بچتے ہوئے جچے تلے الفاظ استعمال کیے ہیں اور اپنے مدعا کو بڑی خوش اسلوبی سے واضح کیا ہے۔ قرآن وحدیث کے علاوہ عربی، اردو اور انگریزی زبانوں میں لکھی گئی تاریخ وسیر اور اسلامیات کی مستند کتابوں سے حوالے دیے گئے ہیں۔ کوئی بات حوالے کے بغیر نہیں لکھی گئی ہے۔ اس سے مصنف کی موضوع سے گہری واقفیت اور وسعت فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاہم یہ کہنا بھی بجا ہے کہ کتاب کے بعض مباحث میں ابہام پایا جاتا ہے۔ مرکزی مکتبہ اسلامی کی طرف سے جس نے بھی کتاب کی ادارت کی ہے اس نے غیر ذمے داری اور بے احتیاطی سے کام لیا ہے۔ یہ بات اس لیے کہی جارہی ہے کہ کتاب کے تمام مباحث ملک وبیرون ملک کے موقر رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں اور بعض تو کئی کئی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے بیش تر رسائل وجرائد میرے پیش نظر ہیں۔ الغرانیق العلی کا افسانہ ایک تفصیلی مضمون ہے جسے ماہ نامہ **معارف قاسم** نئی دہلی نے شائع کیا تھا۔ کتاب میں کتر بیونت کر کے شامل کرنے سے خلط مبحث ہو گیا ہے اور بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔ اسی طرح مضمون "نکاح زینب کی حقیقت" ماہ نامہ **ترجمان دارالعلوم**، نئی دہلی (جنوری-مارچ: ۲۰۱۱) میں شائع ہوا تھا۔ اس میں بھی مصنف نے اپنے موقف کو تفصیل سے سپرد قلم کیا ہے، جب کہ کتاب میں بہت سے مباحث اور ذیلی عناوین کو حذف کر دیا گیا ہے۔ معجزات کے ضمن میں صفحہ ۱۳۶- ۱۳۸ پر شق صدر یا شرح صدر کی بحث کی گئی ہے۔ اپنے دعوے کے ثبوت اور استحکام کے لیے مصنف نے الگ الگ تین آیات پیش کی ہیں اور لکھا ہے کہ اول الذکر اور آخر الذکر آیات کا تعلق براہ راست نبی ﷺ سے ہے، جب کہ درمیانی آیت کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ ادارت کے دوران میں درمیانی آیت کو حذف کر دیا گیا ہے، مگر مصنف کے الفاظ کو جوں کا توں چھوڑ دیا گیا ہے۔(ص:۱۳۹-۱۳۸)

اس طرح کی چھوٹی موٹی خامیوں کے باوجود یہ کتاب مصنف کی ایک بڑی دینی وعلمی خدمت اور ادبیات سیرت میں ایک اہم اور نئے باب کا اضافہ ہے۔ اس کے لیے مصنف اور ناشر قابل مبارک باد ہیں۔ ہم امید کرتے

ہیں کہ عوام وخواص میں یہ کتاب پسندیدگی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مصنف کے درجات کو بلند فرمائے۔ (آمین)

آخر میں مرکزی مکتبہ اسلامی کے ذمے داران اور خود مصنف سے یہ توقع کی جاتی ہے کی بالخصوص انگریزی اور ہندی زبانوں میں اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کریں گے، تاکہ سیرت نبوی پر کیے گئے متعصبانہ اعتراضات کی حقیقت غیر مسلم اور جدید ذہن کے سامنے آشکار ہو سکے۔